ایک بے مثال ساتھی، ایک شفیق رفیق سفر

حضرت مولانا عبدالحنان صاحب ۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کے رفیق سفر، دارالعلوم دیوبند کے ساتھی اور رشتہ میں سالے ہوتے ہیں ان کی تحریر خاندان کے ایک فرد اور شب و روز کے ایک عینی شاہد کی شہادت ہے ۔

حضرت شیخ الحدیث کے رفیق سفر اور سالے بزرگ عالم دین حضرت علامہ مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ آف جہانگیرہ جو حضرت کے زمانہ طالب علمی کے رفیق اور ساتھی رہے ہیں پھر رشتہ داری ہوئی اور زندگی کے آخری لمحات تک قریب ترین تعلق رہا اپنے زمانۂ طالب علمی، قیام دارالعلوم دیوبند، مختلف اسفار اور مشاہدات پر مبنی دلچسپ تحریر نذر قارئین کرتے ہیں ۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب زمانۂ طالب علمی ہی میں بوجہ ذکاوت اور تمام فنون کی پڑھی ہوئی کتابوں میں مہارت تامہ کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند میں کافی شہرت رکھتے تھے ۔ بلکہ بعض کتابیں خصوصی طور سے طالب علم خارج میں مولانا سے پڑھتے تھے مثلاً میبذی اور تصریح وغیرہ میں مولانا کے درس میں پچاس ساٹھ طالب علم شریک درس رہتے اور احاطۂ دار جدید کی چھت پر عصر کے بعد بیٹھ کر پڑھاتے اپنے اسباق میں بھی سب اساتذہ مولانا کی ذکاوت اور ذہانت کے معترف تھے ۔ اگرچہ مولانا مجھ سے اکثر کتابوں اور درجہ میں بہت آگے تھے مگر مولانا نے ادب کی کتابیں بعد میں پڑھیں تھیں، اس لئے میں دیوان حماسہ میں مولانا کا شریک درس رہا ۔ مولانا عبدالحق کی علمی استعداد اور قابلیت کے علاوہ اخلاق اور تواضع میں ضرب المثل تھے ۔ اسی وجہ سے عام طلبہ اُن کے گردیدہ اور اخلاق کے معترف تھے دارالعلوم دیوبند میں طالب علم انجمنیں بنایا کرتے تھے اور جمعہ کی رات کو سب اپنی اپنی انجمن کا جلسہ کیا کرتے تھے اور سب طالب علم باری باری کسی خاص موضوع پر تقریر کرتے تھے ۔ ہم پٹھان طالبعلموں کی اکثریت نے جو انجمن بنائی تھی اس کا نام تھا اصلاح الکلام اور اس انجمن کے صدر مولانا عبدالحق صاحب تھے ۔ جب سال ختم ہوتا تو رجب میں سالانہ جلسہ منعقد ہوتا اور ہر ایک طالب علم کو کوئی خاص موضوع دیا جاتا کہ اس موضوع پر تقریر کرنی ہوگی، ایک مرتبہ سالانہ جلسہ کے لئے سب طالب علموں کے لئے موضوع متعین کر دیئے گئے مگر ایک طالب علم میاں حکمت شاہ کاکاخیل کو کوئی خاص موضوع نہ ملا تو مولانا نے فرمایا کہ چلو تمہارا موضوع ہے کام کی باتیں جب جلسہ ختم ہو جاتا تو مولانا عبدالحق خود اختتامی تقریر فرماتے اور طالب علموں کی تقاریر میں اگر کچھ نقص ہوتا تو اس کی اصلاح فرماتے اور ہدایات دیتے، سالانہ جلسہ میں بعض اساتذہ کو بھی دعوت دی جاتی، مولانا عبدالحق صاحب کے حسن اخلاق اور حسن تدبیر کا یہ اثر تھا کہ ایک مرتبہ دھلی میں پٹھان طالب علموں میں آپس میں جھگڑا ہو گیا، جس کے نتیجہ میں سواتی طالب علموں کے ہاتھ سے موضع ٹوپی کا طالب علم قتل ہو گیا، پھر کیا تھا اس واقعہ نے اتنی سنگین صورت اختیار کر لی کہ پشاوری طالب علموں اور سواتی طالبعلموں میں ایسی دشمنی ہو گئی کہ کوئی طالبعلم اپنے مدرسے یا مسجد سے باہر نہیں نکل سکتا تھا، سندھیوں اور ایم کیو ایم والا معاملہ تھا محفوظ رہنا مشکل ہو گیا تھا ۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے ۔ حتی کہ حکومت وقت بھی اس فساد کے فرو کرنے میں بے بس ہو گئی تھی، بالآخر کسی کی تحریک پر ایک وفد دیوبند سے مولانا عبدالحق صاحب کی قیادت میں جس میں پشاوریوں کی طرف سے مولانا عبدالحق اور ہزارویوں کی طرف سے قاضی احمد اور سواتیوں کی طرف سے مولانا عبدالمتین اور بلوچستانیوں کی طرف سے میاں حسن شاہ بلوچستانی کے بڑے بھائی جس کا نام یاد نہیں رہا شامل تھے دہلی روانہ ہوا جب یہ وفد بطور جرگہ دہلی پہنچا اور فریقین سے بات چیت ہوئی تو اہل جرگہ کی خلوص نیت اور خصوصاً مولانا عبدالحق صاحب کی نرم گفتگو اور مؤثر نصیحت اور پُراثر شخصیت نے کام کر دیا اور شر و فساد کے بادل چھٹ گئے اور آپس میں راضی نامہ ہو گیا ۔ جب فضا ہموار ہو گئی اور شر و فساد رفع ہو گیا ۔ تو دہلی کے لوگوں نے عموماً اور حکام دہلی نے خصوصاً تعجب کیا اور کہا کہ جو فساد ہم حکومت کی طاقت پر نہ دبا سکے وہ چند آدمیوں کے آنے سے کیسے دب گیا اس واقعہ سے وہ دارالعلوم کے اثر کے معترف ہو گئے مولانا دورۂ حدیث کے بعد ابھی ادب وغیرہ کی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ دریں اثنا ہمارے ایک صوفی منش استاد حضرت مولانا بنیہ حسن صاحب کا انتقال ہو گیا اب اُن کی جگہ پر دوسرے مدرس کی ضرورت پیش آئی، مولانا عبدالحق صاحب کی قابلیت اور تبحر علمی کے حضرت مہتمم صاحب اور تمام اساتذہ قائل تھے اس وجہ سے نظر انتخاب اُنہی پر پڑی چنانچہ مولانا عبدالحق کے تقرر کا فیصلہ اور اعلان کر دیا گیا ۔ مگر پٹھان طالب علموں میں سے بعض جو حسد اور رقابت سے مجبور تھے ۔ انہوں نے یہ تحریک چلائی کہ ہمارے ساتھ پڑھنے والے کیسے ہمارے استاد ہوں گے ۔ چنانچہ انہوں نے درخواست لکھ دی بعض ہندوستانی بھی قومی تعصب کی بنا پر اُن کے ہمنوا بن گئے، مگر اس تحریک کے نتائج مولانا عبدالحق کے حق میں بہت مفید نکلے ۔ جب مولانا عبدالحق صاحب وطن تشریف لے آئے، اس مخالفت نے عام طالب علموں کو مایوس کر دیا اور سخت ناراض ہوئے، چنانچہ ہزارہ کے طالبعلم جو عام طور پر مولانا عبدالحق کے معترف اور شاگرد تھے ۔ انہوں نے اس بات کو محسوس کرتے ہوئے مخالفت کرنے والوں سے انتقام لینے کا ارادہ کیا، اتفاق سے جن استاد کا تقرر اُس خالی جگہ پر ہوا وہ حضرت مولانا نافع گل صاحب تھے جو کہ اُس مخالفت کرنے والوں کے استاد تھے ۔ اس شخص نے مولانا نافع گل صاحب کو استقبالیہ دیا ۔ اس استقبالیہ میں کافی طالب علم شریک تھے چنانچہ اس دوران میں عبدالقیوم نامی ایک طالب علم جو کہ غازی ضلع ہزارہ کا رہنے والا تھا وہ بلا بلائے آگیا ۔ اور بیٹھتے ہی مولانا نافع گل صاحب سے مدرا میں ایک جگہ پوچھی مولانا نافع گل صاحب جید عالم تھے یہ نہ کہ وہ جواب نہ دے سکتا، مگر اس بلا موقع پوچھنے پر وہ ناراض ہوئے تو اس شخص داعی نے اس بات کو مولانا نافع گل صاحب کی بے عزتی جانتے ہوئے، عبدالقیوم کو ایک دو گھونسے دیئے اور دھکے دے کر کمرے سے باہر نکال دیا ۔ دوسرے دن عبدالقیوم

اپنے ساتھیوں کے ہمراہ انتقام لینے کے لئے مطبخ کے راستے میں بیٹھ گیا جب وہ شخص مطبخ سے کھانا لا رہا تھا تو عبدالقیوم نے اس پر لاٹھیوں کے وار کیئے اور وہ زخمی ہو کر گر پڑا چنانچہ جب یہ شکایت حضرت شیخ الحدیث مدنی صاحب تک پہنچی تو انہوں نے مہتمم صاحب سے کہدیا کہ دونوں طالب علموں کو خارج کر دیا جائے۔ چنانچہ ضارب اور مضروب دونوں خارج کر دیئے گئے اب دونوں نے جب سوچا کہ اب کیا کریں گے تو دونوں بلا کسی کے کہے آپس میں خود بخود راضی ہو گئے اور دوبارہ داخلہ کے لئے کوشش کرتے گئے مگر مہتمم صاحب فرماتے کہ یہ حضرت مدنی کا حکم ہے نہیں داخل کیئے جاؤ گے چنانچہ ہم سب مل کر حضرت مولانا عزیز گل صاحب اسیر مالٹا کی خدمت میں پہنچے اور ان سے اس معاملہ کی کیفیت بیان کی اور ان سے حضرت مولانا مدنی سے کہلوانے کے لئے کہا کیونکہ حضرت مولانا عزیز گل صاحب حضرت مدنی کے بلا تکلف ساتھی تھے حضرت مولانا جانے کے لئے تیار ہوئے اور ہم سب حضرت مدنی کی خدمت میں حاضر ہوئے، مولانا عزیز گل صاحب نے فرمایا کہ جب دونوں طالب علم آپس میں راضی ہو گئے، تو آپ کیوں داخل نہ کرنے پر اصرار فرما رہے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ پھر شرارت کریں گے مگر انہوں نے معافی مانگی اور آئندہ نہ کرنے کا اقرار کیا چنانچہ پھر داخل کر دیئے گئے ۱۹۳۹ء میں سرحد اسمبلی میں ایک بل بنام شریعت بل پیش ہوا۔ جس میں وراثت وغیرہ معاملوں کو شریعت کے موافق فیصلے کروانے کے قوانین تھے۔ اور یہ بل ملک خدا بخش ڈیرہ اسماعیل خان والے نے پیش کیا تھا۔ اس سے پہلے جب انگریزی حکومت بنی تو بعض معتبرین پٹھانوں نے قانون واجب الارض برائے سرحد وکیل میں سے لکھوایا تھا کہ فیصلہ رواج سے کریں گے اور رواج میں پٹھانوں کا قانون جاہلیہ عرب کے مانند تھا کہ لڑکیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ بل رائے عامہ کے لئے مشتہر کر دیا گیا اس سلسلہ میں پشاور میں ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ہندوستان سے بھی بڑے بڑے علماء تشریف لائے جیسے حضرت شیخ الحدیث مولانا مدنی اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید اور مولانا حفظ الرحمن جیسے اکابر تشریف لائے تھے جب وہ کانفرنس اختتام پذیر ہوئی تو مولانا عبدالحق جو کہ ان دنوں میں اپنے گاؤں اکوڑہ خٹک میں اپنی مسجد میں تدریس فرما رہے تھے حضرت مدنی کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ ہمیں اکوڑہ خٹک میں مدرسہ کی بنیاد آپ سے رکھوانی ہے اس وقت مدرسہ تعلیم القرآن ایک کرایہ کے مکان میں جاری تھا۔ حضرت مولانا مدنی نے درخواست قبول فرمائی مگر جب یہ باتیں طے ہو گئیں تو موضع بیبک کے ایک عالم شاید ان کا نام واحد اللہ یا احمد اللہ تھا۔ انہوں نے بھی درخواست پیش کر دی کہ جب آپ اکوڑہ خٹک تشریف لے جا رہے ہیں تو راستے میں بیبی میں بھی ہمارے مدرسے کی افتتاح فرماتے جائیے چنانچہ حضرت نے مان لیا پشاور سے ایک گاڑی میں حضرت مدنی کے ساتھ مولانا عبدالحق صاحب اور مولانا محمد ایوب جان بنوری اور بندہ بیٹھ کر بیبی آئے مگر وہاں پر انتظام ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے رات رہنا پڑا۔ رات کو جب حضرت مدنی حسب معمول تہجد کے لئے بیدار ہوئے اور نماز سے فارغ ہوئے

تو مولانا عبدالحق صاحب اور مولانا محمد ایوب جان نے بیعت کے لیئے درخواست کی چنانچہ حضرت نے ان کو تو بیعت کر لیا مگر میں چونکہ دورۂ حدیث سے ابھی فارغ نہیں ہوا تھا تو مجھ سے فرمایا کہ تم ابھی طالب علم ہو۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔ بیبی سے فارغ ہونے کے بعد حضرت اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور مدرسہ تعلیم القرآن کا باقاعدہ افتتاح فرمایا مگر ساتھ ہی مولانا عبدالحق صاحب اپنے محلہ کی مسجد میں باقاعدہ تدریس فرما رہے جس میں روز بروز اچھے اور منتہی طلبا کا اضافہ ہو رہا تھا بعد میں طلبا کی اتنی کثرت ہو گئی کہ مولانا تنہا سب کو پڑھانا برداشت نہیں کر سکتے تھے تو مولانا فضل الرحمن کو شاہ صوابی والے جو کہ مولانا کے ہم سبق ساتھی تھے ان کو منگوایا اور مولوی محمد شفیق سکنہ سعادتی کو جو مولانا کی خاص شاگرد بھی پڑھاتے لگے کچھ عرصہ بعد مولانا ابرار شاہ موضع کنیال طلے کو جو میرٹھ میں پڑھا چکے تھے ان کو مقرر کر دیا علی ہذا کئی مدرس مولانا کے معین و مددگار ہوئے مگر کچھ دنوں کے بعد دیوبند سے حضرت مدنی اور مہتمم صاحب قاری محمد طیب کا اصرار ہوا کہ آپ دیوبند آجائیں ہر چند کہ مولانا کے والد محترم حاجی معروف گل صاحب کی بالکل مرضی نہ تھی کیونکہ ان کا شوق یہ تھا کہ جیسے اکوڑہ میں سلسلہ تدریس چل رہا ہے وہ چلتا رہے۔ مولانا کے والد صاحب آپ کے پڑھانے کے وقت ایک طرف بیٹھ جاتے اور خوشی سے پھولے نہ سماتے۔ مگر حضرات اکابر دیوبند کے تقاضوں نے مولانا کو مجبور کر دیا۔ اور اکوڑہ خٹک میں صرف تعلیم القرآن کا سلسلہ جاری رکھا اور خود دیوبند چلے گئے اور یہ سلسلہ تقسیم ہند تک جاری رہا۔ تقسیم ہند کے بعد جب کہ مولانا کے تبحر علمی اور طرز تدریس کی دلکشی نے دور دور تک طالب علموں کو گرویدہ بنا دیا تھا اور بوجہ بٹوارہ ہند کے جب کہ سلسلۂ تدریس دیوبند کا انقطاع ہو گیا تو مولانا نے اپنے گاؤں میں دوبارہ باقاعدہ مدرسہ کے شکل میں انتظام فرمایا۔ اور کئی علماء و مشاہیر کو مدرسہ میں مقرر فرمایا مگر مسجد میں اتنے سلسلہ کی گنجائش کہاں نکل سکتی تھی لہٰذا باہر برلب سڑک دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی گئی، مولانا عبدالحق نے چونکہ مدرسہ حقانیہ کی بنیاد انتہائی اخلاص اور شیخ الحدیث حضرت مدنی جیسے اہل اللہ ہستی کے ہاتھ سے رکھوائی تھی نیز ان کو رفقاء اور معاونین بھی اپنے جیسے مخلصین ملے جو رات دن دارالعلوم کی ترقی میں فکر مند اور کوشاں رہتے تھے جیسے خان اعلیٰ خان محمد زمان خان اور حاجی محمد یوسف اور ملک امر الٰہی اور تور بادشاہ اور حاجی غلام محمد اور حاجی رحمان الدین اور چشتی کے شیخ میاں صاحب اور حاجی شیر افضل خان بدرشی ان وجوہات سے وہ چھوٹا مدرسہ تعلیم القرآن تو اسلامیہ ہائی سکول تک ترقی کر گیا اور محلہ کی مسجد والا درس بھی جلد از جلد ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے دارالعلوم حقانیہ بقول حضرت قاری محمد طیب دیوبند ثانی بن گیا۔

> "طلبگاران علم دین اور تشنگان درس دیوبند کی پیاس دارالعلوم حقانیہ میں بجھنے لگی بجا طور پر حضرت قاری محمد طیب صاحب اور حضرت لاہوری اور امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے نے دارالعلوم حقانیہ کو دیوبند ثانی کا خطاب عطا فرمایا تھا"

یہ سب کچھ مولانا عبدالحق صاحب کے اخلاص اور للہیت اور دیانتداری اور تقویٰ کا نتیجہ تھا۔ مولانا نے کبھی بھی اپنے آپ کو مہتمم اور مختار کل نہیں سمجھا بلکہ

سب کچھ مجلس شوریٰ کے سپرد تھا کسی چیز میں تو دخل نہیں دیتے تھے۔ مجلس شوریٰ کے اجلاس میں خاموش بیٹھ کر ممبران شوریٰ کی طرف دیکھتے اور سنتے رہتے تھے یہاں تک کہ کسی ملازم یا مدرس کے تقرر یا تنخواہ کی کمی بیشی میں بھی کبھی اپنا اختیار نہیں چلایا بلکہ اس کے لئے بھی ممبران شوریٰ میں سے ایک چھوٹی کمیٹی مقرر فرما لیتے اور ان کے فیصلہ پر عمل فرماتے امانت اور دیانتداری میں تو اُن کے کچھ کلام نہ تھا، آپ اس ایک مثال سے قیاس کر لیں کہ کتنی حد تک محتاط زندگی گذاری وہ یہ کہ میں تو چونکہ گھر کے اندر کا آدمی ہوں مجھے ان کے خانگی حالات کا بھی علم ہے ایک مرتبہ میں نے مولانا صاحب کو گھر میں انتہائی غصہ میں دیکھا جب کہ اس سے قبل میں نے کبھی بھی مولانا کو ایسے غصہ میں نہیں دیکھا تھا میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ واقعہ یہ ہے کہ سوئی گیس کے آنے سے پہلے مطبخ کے تنور میں لکڑیاں جلائی جاتیں تھیں تو لکڑیاں جل جانے کے بعد جو کوئلہ رہ جاتا تو بھاکر دارالعلوم کے لئے بیچ دیا جاتا مولانا کے گھر میں بھی وہ کوئلہ انگیٹھی کے لئے قیمتاً منگوایا جاتا تو ایک روز مولانا نے کوئلہ کی بوری گھر میں پڑی ہوئی دیکھ لی پوچھا کہ کوئلے کی قیمت داخل کر دی گئی ہے کہا گیا کہ ابھی داخل نہیں کی تو اس بات پر بے انتہا غصہ فرمایا اور فرمایا یہ خیانت ہے تمھیں عادت پڑھ جائے گی، اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض مدرسوں میں طالبعلم سے فیس لے کر سند دی جاتی ہے، چاہے اس نے اس مدرسہ میں ایک دن بھی نہ پڑھا ہو مگر دارالعلوم حقانیہ کا یہ قانون ہے کہ جب تک دارالعلوم میں دورہ حدیث نہ کیا ہو سند نہیں دی جاتی، مولانا فرضی سند عنداللہ بڑا جرم سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی جیسے بڑے عالم اور مجاہد اور تمام علماء میں قدر و منزلت والے ایک مرتبہ کسی کے سفارش کے لئے تشریف لائے تو حضرت مولانا نے صاف انکار فرما دیا۔ ایسے ہی ہمارا ایک ساتھی مولانا نور محمد سکنہ تور ڈھیر جو کہ دیوبند میں ہمارا شریک درس تھا اور وہ فاضل دارالعلوم تھا مگر کسی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کے سالانہ امتحان میں شریک نہ ہو سکا تھا اس وجہ سے سند نہ مل سکی تھی اور متحدہ ہندوستان کے زمانہ سے فوج میں پیش امام تھے پاکستان بننے کے بعد جب یہاں آئے تو فوج میں یہ قانون بنا کہ چند دارالعلوموں کی سند کے بغیر فوجی امامت نہیں کر سکتے، انہوں نے مولانا سے سند کا تقاضا کیا تو مولانا نے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں پڑھ چکے ہیں، مگر میں خلاف قانون سند نہیں دے سکتا البتہ شہادت نامہ دے دوں گا کہ میرے سامنے دیوبند میں دورہ حدیث کر چکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے شہادت نامہ لکھ کر دیدیا اور ملٹری افسران نے وہ شہادت نامہ قبول کر لیا، ایسے ہی ایک مرتبہ مانسہرہ چھاؤنی سے آزاد کشمیر فوج کا کوئی افسر اپنے پیش امام کو سند کے لئے ساتھ لائے مولانا نے فرمایا کہ اگر آپ اس کے ساتھ امداد کرنی چاہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ یہ دارالعلوم میں دورہ حدیث میں داخل ہو جائے، جب کہ اس سے قبل وہ درس نظامی کی کتب پڑھ چکا تھا، اور روزانہ آتا جاتا رہے اور آپ لوگوں کو اس کا آمد و رفت کا خرچہ برداشت کرنا چاہیئے، امتحان کے بعد سند دے دیں گے چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ ایسے ہی ایک مرتبہ کوئٹہ سے ایک کرنل صاحب کسی مولوی کو ساتھ لائے اور آتے ہی کافی رقم بطور چندہ دارالعلوم میں داخل کر دی بعد میں سند کا تقاضی کیا جب انہوں نے سند کا ذکر کیا۔

> تو شیخ الحدیث حضرت مولانا صاحب نے ناظم صاحب سے کہا کہ رقم واپس کر دو، کیونکہ یہ رشوت دینی چاہتے ہیں ہم مدرسہ میں رشوت کی رقم نہیں لینی چاہتے۔

چنانچہ کرنل نے معافی مانگی اور کہا کہ دراصل ہمیں سند کی ضرورت نہیں ہم محض امتحان لینا چاہتے تھے۔ کہ یہاں فرضی سند مل سکتی ہے یا نہیں۔ اور اُس کرنل پر اس بات کا بہت زیادہ اثر ہوا۔

۱۹۵۱ء میں بندہ بارادہ حج بیت اللہ بذریعہ بحری جہاز حرمین شریفین کے سفر پر گیا تو حسن اتفاق سے اسی سال مولانا عبدالحق صاحب بھی گاؤں کے چند ہمراہیوں کے ساتھ بذریعہ ہوائی جہاز حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، ہم مکہ مکرمہ میں رباط تورہ قل بائی میں ٹھہرے ہوئے تھے ہم ایک کمرہ میں پانچ آدمی مقیم تھے جب مولانا تشریف لائے تو ہم نے عرض کی کہ آپ چونکہ ہوائی جہاز والے ہیں آپ کو زیادہ ٹھہرنا نہیں تو آپ ہمارے ساتھ ہی ٹھہر جائیں علیحدہ کمرہ کی ضرورت نہیں وہاں کے چند دنوں کے اکٹھ نے زمانہ طالب علمی دیوبند کی یاد تازہ کر دی اور نہایت ہی خوشی اور طمانیت سے مناسک مل کر ادا کیے۔ مکہ مکرمہ اور پھر مدینہ منورہ میں قیام کے دوران حج میں شامل ہندوستان اور بنگال وغیرہ کے علماء جس میں اکثر مولانا کے شاگرد تھے کو مولانا کے متعلق پتہ چلتا تو طواف وصلوٰۃ کے علاوہ ہر وقت علمی مجلسیں اور ملاقاتیں جاری رہتی اور علماء کا جمگھٹا لگا رہتا۔ تکمیل حج کے بعد چونکہ مولانا کا سفر ہوائی جہاز کا تھا اس لئے ہم اُنہیں جدہ تک رخصت کرنے آئے ان کو خدا حافظ کہا اور خود واپس مکہ مکرمہ چلے گئے، مولانا عبدالحق صاحب کے ساتھ جب بھی کہیں اکٹھا سفر ہوا کبھی بھی کسی صعوبت سفر کا احساس بھی نہیں ہوا۔ ان کی تواضع اُن کے عجیب وغریب اخلاص خواص وعوام میں ضرب المثل تھے چھوٹا یا بڑا جو بھی ملنے آتا تو آپ کوشش کرتے کہ اُٹھ کر کھڑے ہو کر ملوں حتیٰ کہ بیماری اور انتہائی ضعف میں بھی بیٹھ کر ملنا پسند نہ فرماتے اور جس سے بھی ملتے نہائت ہی شفقت اور خندہ روئی سے جب بھی کسی رشتہ دار کے گھر تشریف لاتے سب بچوں پر شفقت فرماتے ہوئے ضرور بالضرور ہدیتہً ایک دو روپے پکڑا دیتے بچے بھی وہ پیسے تبرک سمجھتے ہوئے لے کر اپنے پاس سنبھال لیتے، ایک مرتبہ ۱۹۵۲ء یا ۱۹۵۳ء کو جمعیت العلماء ہند کی بہت بڑی کانفرنس لاہور باغ بیرون دہلی دروازہ میں منعقد ہو رہی تھی، جس میں شمولیت کے لئے میں اور مولانا عبدالحق صاحب دونوں بذریعہ ریل لاہور روانہ ہوئے اتفاق سے ٹیکسلا اسٹیشن پر ایبٹ آباد کے خطیب مولانا محمد اسحاق صاحب سے ملاقات ہوئی وہ بھی ہمارے ڈبے میں بیٹھ گئے تمام راستے میں علمی اور سیاسی بحث مباحثے ہوتے رہے جب لاہور پہنچے تو مولانا محمد اسحاق صاحب نے کہا کہ آپ لوگ کس جگہ قیام کریں گے میرا تو سی آئی ڈی کا ایک آئی جی دوست ہے میں تو اُن کے پاس ٹھہرونگا اگر میرے ساتھ چلنا چاہیں تو میرے ساتھ چلیں مولانا عبدالحق نے مسکراتے ہوئے کہا کہ حضرت آپ

بڑے لوگ ہیں، آپ کا دوستانہ بھی بڑے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، ہم تو فقیر لوگ ہیں ہمارا تعلق بھی ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، فرمایا کہ اچھرے میں حافظ قمرالدین کا مدرسہ ہے، ہم کو وہاں جانا ہے۔ حافظ صاحب نہایت شفیق اور خلیق شخصیت ہیں اُن کا تعلق ہم جیسے لوگوں کے ساتھ نہایت مشفقانہ ہوتا ہے جب بھی کوئی اکابر علماء میں سے لاہور آئے تو اُن ہی کا مہمان ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم انہیں کے پاس گئے، جب اسٹیشن میں جلا ہونے لگے تو مولانا محمد اسحاق نے فرمایا چلو پہلے مولانا رسول خان صاحب کے پاس اورنٹیل کالج میں ملاقات کریں، چونکہ حضرت مولانا رسول خان صاحب دیوبند میں ہم سب کے استاد رہ چکے تھے اور اس وقت اورنٹیل کالج میں مدرس تھے۔ لہٰذا ہم سب اُن سے ملے۔ اورنٹیل کالج گئے جب مولانا رسول خان صاحب کے پڑھانے والے کمرے میں داخل ہوئے تو اس وقت مولانا رسول خان چند لڑکوں کو جو بنچوں پر بیٹھے ہوئے تھے ان کو سلم العلوم پڑھا رہے تھے مولانا محمد اسحاق صاحب چونکہ زبان کے بہت تیز اور منہ پھٹ تھے اندر داخل ہوئے حضرت مولانا رسول خاں سے کہنے لگے انا للہ وانا الیہ راجعون کہاں دارالعلوم دیوبند میں پڑھانے والا علامہ مولانا رسول خان جو مسلّم جامع المعقول والمنقول ہیں اور اب چند چھوکروں کے سامنے بیٹھے ہوئے سلم پڑھانا مولانا رسول خان صاحب کچھ نہ بولے اور ہنس پڑے خیر یہ تو مولانا محمد اسحاق کی عادت تھی کہ بات صاف صاف ہر کسی کے سامنے کہہ دیتے اسی وجہ سے انہوں نے سر ظفر اللہ قادیانی سے جب وزیر خارجہ پاکستان تھے اور انہوں نے قائداعظمؒ کا جنازہ نہیں پڑھا تھا تو اُن سے مولانا محمد اسحاق نے پوچھا تھا کہ تم نے جنازہ کیوں نہیں پڑھا تھا تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ مجھے یا تو اسلامی حکومت کا کافر وزیر خارجہ سمجھو یا غیر اسلامی حکومت کا مسلمان وزیر خارجہ اور یہ بات مولانا محمد اسحاق نے تمام پاکستان میں مشتہر کر دی تھی۔ جمعیت العلماء ہند کی وہ کانفرنس بڑی کامیاب اور دھوم سے اختتام پذیر ہوئی وہ دو روز حضرت شیخ الاسلام و شیخ العرب والہند کی بارونق مجلسوں میں گزارے۔ بادل نخواستہ وہاں سے واپس ہوئے مولانا عبدالحق صاحب کی ہمراہی میں میرے کافی سفر ہوئے مگر آخری کا سفر صد سالہ جشن دارالعلوم جس کے لئے حضرت مفتی محمود و مولانا عبدالحق کی شریک قیادت میں اپنی مادر علمی اور پاک ارواح والے اساتذہ کرام کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے کیا خوب سفر تھا اور کیا خوب واجب الاحترام ساتھی تھے جس سفر میں طالب علمی کے دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے اپنے ہم سبق ساتھیوں کے ساتھ مدت مدیدہ کے بعد ملاقاتیں ہوئیں، اب دوبارہ ملاقات اللہ تعالیٰ محشر اور جنت میں فرماوے۔ یہ چند منظر ہیں حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہمراہی اور ہمنشین کی ذہن میں باقی تھیں ورنہ باتیں تو بہت تھیں جو اب ذہن سے نکل چکی ہیں۔

(بندہ محمد عبدالحنان خاکپائی علماء دیوبند)

اللہ رب العزت نے ہم پر بہت بڑا انعام و احسان کیا ہے کہ ہمیں اشرف المخلوقات ہونے کا عزت و شرف بخشا ہے ورنہ ہم ناتوانوں کا کیا بس چلتا اگر خدا ہمیں کسی گندی نالی کا کیڑا بنا دیتے یا عام حشرات الارض اور حیوانات کی شکل میں ہماری تخلیق فرماتے تو ہمارا کیا بس چلتا یہ تو اللہ ربّ العزت کی خاص الخاص مہربانی ہے کہ اس نے ہمیں صورت انسان دی اور پھر یہ مزید احسان و اکرام فرمایا کہ ہمیں طلب علم کا موقع فراہم کیا اور ہمیں دین سیکھنے سکھانے کے راستہ میں لگا دیا اور طالبانِ علم نبوّت کی صف میں کھڑا کر دیا اگر تمام زندگی سجدہ میں پڑے رہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے احسانِ عظیم کا ہم شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔

ارشاد شیخ الحدیثؒ (صحبتے با اہل حق ص۱۲)